

نر ملا؟ میری جان اور کس دن کام آوے گی؟"

منشی جی نے آبیدہ ہو کر کہا۔ نہیں نر ملا، اس کی قیمت اب میری نگاہوں میں بہت بڑھ گئی ہے۔ آج تک وہ میری نفس پرستی کی چیز تھی، آج سے وہ میری عقیدت کی چیز ہے! میں نے تمہارے ساتھ سخت ناصافی کی ہے مجھے معاف کر دیا۔

(۱۲۳)

جو کچھ ہوتا تھا ہو گیا۔ کسی کی کچھ نہ ہی۔ ڈاکٹر صاحب نر ملا کے جسم سے خون لکھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ نسارہ ام اپنی پاکیزگی کی آخری جملک دکھلا کر اس عالم و ہم و خیال سے رخصت ہو گیا۔ شاید اتنی دیر تک اس کی جان نر ملائی کے انتظار میں امکن تھی۔ اسے بیناہ ثابت کئے بغیر وہ جسم کو کیسے چھوڑ دیتی؟ اب اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ منشی جی کو نر ملا کے چیزناہ ہو نے کا تيقین ہو گیا مگر کب؟ حب کمان سے تبر نکل چکا تھا، جب مسافر پاپہ رکاب ہو چکا تھا!

اسی صدر سے منشی جی کو جینا درد بھر ہو گیا۔ اس روز سے پھر ان کے ہوتیوں پر منشی نہ آئی۔ زندگی بیگار معلوم ہونے لگی۔ وہ کبھی جاتے مگر مقدمات کی پیروی کے لیے نہیں بلکہ محض دل بھلانے کے لیے گھنٹہ روکھنے میں وہاں سے اکتا کر چلے آتے۔ کھانے مٹھتے تو نعمت میں نہ جانتا۔ نر ملا اپنے سے اچھے کھانے پکان مگر منشی جی دوچار نوادری سے زیادہ نہ کھا سکتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کھانا منہ سے نکلا پڑتا ہے۔ نسارہ ام کے کمرے کی طرف جاتے ہی ان کا دل پاش ہو جاتا تھا۔ جہاں ان کی امیدوں کا چراٹ جلتا رہتا تھا۔ دہماں اب نثاریں نہیں! ان کے دوستیے اب بھی تھے۔ مگر پھولنے سلپنے والا درخت گھر پر اُن پر غصے پودوں کا کیا اعتبار؟ یوں توجہ ان بدھے سبھی مرتبے ہیں مگر نہ اس بات کا تھا کہ انہوں نے خود اُن کے گجان ل۔ جس وقت یہ بات یا جاتی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا سیہہ بیٹھ ہو چکا گلا۔

نر ملا کو شوہر سے تھی ہمدردی تھی۔ حتی الامکان وہ انھیں خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی، اور گئی گزری باتوں کا بھول کر بھی ذکر نہ کرتی تھی۔ منشی جی اس سے نسارہ ام کے تعلق پکھ کرتے ہوئے شرماتے تھے۔ ان کی بھی کبھی ایسی خواہش ہوتی کہ ایک بار نر ملا سے اپنے دل کی ساری باتیں کھول کر کہہ دیں مگر نہ امت سے زبان بند ہو جاتی تھی۔ اس طرح ان کو وہ بھی بھی نہ ملتی تھی جو اپنا دکھ کہہ دلانے سے دوسروں کو اپنے دکھ میں شریک کرنے سے، مال ہوتی ہے۔ مواد فاسدہ باہر نہ نکل کر اندر رہی اندر زہر پھیلا تا جاتا تھا، روز بروز بدن گھلتا

چار بات تھا۔

ادھر کچھ دنوں سے غشی جی اور ان ڈاکٹر صاحب میں حنبوں نے منیر احمد کا علاج کیا
دوستانہ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ بیمارے کبھی کبھی آخر غشی جی کو تشفی کیا کرتے کبھی کبھی اپنے
سانحہ ہر کھلانے کے لئے چھپتے جاتے۔ ان کی بیوی بھی دوچار مرتبہ نرملاء سے ملنے آئی تھی۔
نرملاء کی باران کے گھر جا جیکی تھی مگر جب وہ دہائی سے واپس آئی تو کتنی دن تک ادا اس
رمٹی۔ ان دونوں کی خوشگز ران زندگی دیکھ کر اسے اپنی حالت پر رنج ہوئے بغیر نہ رہتا۔
ڈاکٹر صاحب کو محل سودا پیے اہواز ملتے تھے، لگر اسی قدر بیس دو فون کی باراں بسر ہوتی تھی۔
گھر میں صرف ایک مہری خاتونی فاولداری کا بہت سا کام ڈاکٹر صاحب کی بیوی کو اپنے
ہی ہاتھوں کرنا پڑتا تھا۔ اس کے بدن پر گئے کبھی بہت کم تھے مگر ان دونوں میں وہ محبت
تھی جسے دولت کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوئی۔ شوہر کو دیکھ کر بیوی بشاش ہر جاتی تھی،
اور بیوی کو دیکھ کر شوہر کا بھی چہرہ شگفتہ ہو جاتا تھا۔ نرملاء کے مکان میں دولت اس سے
کہیں زیادہ تھی۔ کہیں کے بو جھ سے اس کا حبہم درا جانا تھا اس کو گھر کا کوئی سماں اپنے ہاتھ سے
نہ کرنا پڑتا تھا۔ مگر نرملاء اسی پر بھی بہت مغموم تھی اور سدھا غریب ہونے پر بھی خوش
و خرم بسہدھا کے پاس ایسی کوئی چیز نہ تھی۔ جو نرملاء کے پاس نہ ہو، جس کے سامنے اسے اپنی
امارت ہی پر معلوم ہونی تھی کہ وہ سدھا کے گھر گئے ہیں کرجاگہ شریعتی تھی۔

ایک روز نرملاء ڈاکٹر صاحب کے گھر توا سے بہت اراس دیکھ کر سدھا نے پوچھا،
”بہن، آج بہت ادا اس ہوا وکیل صاحب کی طبیعت تو اچھی ہے؟“
”نرملاء“ کیا کہوں سدھا، ان کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ پچھا گئے نہیں
بن پڑتا۔ زبانے ایشور کو کیا منظور ہے۔“

سدھا، ہمارے با بوجی تو کہتے ہیں کہ انھیں کہیں تبدیل آب دہرا کر لیے جانا ضروری
ہے، اور نہ کوئی غارضہ لائق ہو جاوے گا۔ وہ کہی بار وکیل صاحب سے کہہ بھی جنکے ہیں مگر وہ
یہی جواب دیتے ہیں کہ یہیں تو بہت اچھا ہوں۔ مجھے کوئی شکایت نہیں۔ آج تم بھی کہنا۔
”نرملاء اجنب ڈاکٹر صاحب کی نہیں سننے، تو میری کیا سنیں گے؟“

یہ کہتے کہتے نرملاء کی انھیں ڈبڈ باؤں ائم، اور ود بات جو ادھر ہیں تو سے اسے پریشان
کر رہی تھی، اس کے منہ سے مکمل پڑی۔ اب تک اس نے چھار کھا تھا، مگر اب نہ چھپا سکی۔
بولی۔ بہن، مجھے تو چھوڑ جیے انتارِ نظر نہیں آتے۔ دیکھیں کچھ گواں کیا کرتے ہیں؟“
سدھا، آج ان سے کافی زور دے کر کہنا کہ کہیں تبدیل آب دہرا کے لیے چلتے۔

دوچار نہیں باہر رہنے سے بہت سی باتیں بھول جاویں گے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ شاید مکان تبدیل کر دینے سے بھی ان کا رنگ پکھ گئے جائے گا۔ تم کہیں باہر جاؤ گئی تو نہ سکو گہ بہ کون سامنہ جا رہا ہے؟

زمرہ: آنکھوں مہبیز ہمارہ ہے۔ یہ اندیشہ تو مجھے اور بھی بلاک کئے ڈالتا ہے۔ میں نے تو اس کے لیے ایشور سے کبھی بنتی بھی نہیں کی تھی۔ یہ بلا میرے سر زد جائے مگر میں ڈالدی میں بڑی بد نصیب ہوں گے، بیاہ کے ایک ماہ قبل بیاپ کا مقابل ہو گیا۔ اسکے مرتبے ہی میرے سر پر سینچر ہوا۔ جہاں پہلے بیاہ کی گفتگو خستہ ہو چکی تھی، وہاں کے لوگوں نے بے رحم کا براخا دیا۔ بیاہ کو ہمارا ان کیز میرا بیاہ بیان کرنا پڑا۔ اب چھوٹی بھیں کا بیاہ ہرنے والا ہے، دیکھیں اس کی ناؤں کس گھات جاتی ہے؟

سردھا: جہاں پہلے بیاہ کی گفتگو ہوئی تھی، ان لوگوں نے انکار کیوں دیا تھا؟

زمرہ: یہ تو وہی جانیں۔ بابہ ہی نہ رہا تو سر نے کی گھری کون دیتا ہے؟

سردھا: یہ کہیں پہنچنے ہے؟ کہاں کچھ رہنے والے تھے؟

زمرہ: لکھنؤ کے نام تو یاد نہیں مگر آہکاری کے کوئی بڑے افسوس نہیں۔

سردھا: متاثر سے پوچھا: ان کا رکا کیا کرنا تھا؟

زمرہ: پچھوئیں کہیں بڑھتا تھا مگر بڑا ہو نہار تھا۔

سردھا نے سرچاک کر کے کہا: اس نے اپنے باب سے کچھ نہ کہا؟ وہ نوجوان تھا کیا اپنے باب کو محبوبرانہ کر سکتا تھا!

زمرہ: اب کیا جانوں بھیں۔ سونے کی گھری کے اچھی نہیں ملتی ہی جو پنڈٹ میری بیان سے سندیسرے لے کر گیا تھا اس نے تو کہا تھا کہ لڑکا ہی انکار کر رہا ہے۔ لڑکے کی ماں البتہ دیوی تھی۔ اس نے دونوں باب سے کوئی سمجھا یا مگر اس کی ایک نہیں؟

سردھا: میں تو اس لڑکے کو باتیں تو خوب آئے ہاں تو یہیں تھیں۔

زمرہ: میرے نصیب میں توجہ لکھا تھا وہ ہو چکا۔ بیچاری کر شناپر ز جانے کیا جاتے گی؟ شام کے وقت زمرہ کے جانے پر، جب ڈاکٹر صاحب باہر سے آئے تو سردھا نے کہا: میں اس آدمی کو کیا کہو گے جو ایک جگہ بیاہ ٹھے کر لیتے کے بعد پھر لپک سے کسی دوسری جگہ بیاہ کر لے؟

ڈاکٹر سہانے یوں کی طرف جرت سے دیکھ کر کہا: ایں نہیں کرنا چاہئے اور کیا؟

سردھا: یہ کیوں نہیں کہتے کہ بھاری کہیں پہنچنے ہے؟

سنہا: "ہاں، یہ کہنے سے مجھے انکار نہیں۔"

سدھا: "کس کا قصور زیادہ ہے۔ لڑکے کا یا لڑکے کے باپ کا؟"

سنہا کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا تھا کہ سدھا کے ان سوالوں کا مطلب کیا ہے تعجب سے بول کے "صلیبی حالت ہو، اگر وہ باپ کے نالئے ہو تو باپ ہی کا قصور سمجھو۔"

سدھا: "تابن ہونے پر بھی کیا جوان آدمی کا کوئی قصور نہیں ہے اگر اس کو اپنے بیٹے نے کوٹ کی ضرورت ہو تو وہ باپ کی تنہائی پر بھی اسے رو دھو کر بزراہی لنتا ہے۔ کیا ایسی اہم بات کے متعلق وداپنی آواز کو باپ کے کانوں تک نہیں پہنچا سکتا؟ یہ کہو کہ لڑکا اور لڑکے کا باپ دلوں ہی قصوردار ہیں۔ مگر زیادہ تر لڑکا ابھا اُو می سوچتا ہے کہ مجھ تو سارا خرچ برداشت کرنے پر ہے چلا۔ پس لڑکی والوں سے جتنا ایسیہ سکون انساہی اجھا۔ مگر لڑکے کافر خدا ہے کہ اگر وہ خود غرضی کے ہاتھوں بالکل بک سنہیں گیا ہے تو اپنی اخلاقی قوت سے کام لے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ہم کہوں گی کہ وہ حریص بھی ہے۔ اور بزردی بھی، بد قسمتی سے ایسا ہی ایک شخص میراثشوہر ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا، لہ کن الفاظ میں اسے لامانت کروں؟"

سنہا لے چکا نے ہوئے گیا۔ وہ ... وہ ... وہ دوسرا بات تھی۔ لبیں دین کا سبب نہیں تھا۔ ایسی حالت میں ہم لوگ کیا کرتے؟ یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ لڑکی میں کوئی نفس ہے۔ وہ بالکل دوسرا بات تھی۔ مگر تم سے یہ داستان کس نے کہی؟"

سدھا: "کہہ دو کہ وہ لڑکی کان تھی، کبڑی تھی، آوارہ تھی بیانا ان کے بیٹے کی تھی! اُنی کسر کیوں پھوڑ کھی۔ بھلا سنوں تو کہ اس لڑکی میں کیا نقش تھا؟"

سنہا: "میں نے دیکھا تو سخا نہیں، سننے میں آیا تھا کہ اس میں کوئی نفس نہیں ہے۔"

سدھا: "لب سے ڈرانقص سیہ تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اور وہ کوئی بھارتی نہ نہ سکتی تھی۔ اتنا قبولی کرتے ہوئے گیوں تھیں جیسے ہمیں نہارے کان توڑ کاٹ لوگیں! اگر دو چار تقریبے گیوں تو اس کان سے سن گرساں کان سے اڑا دینا۔ زیادہ بکھواس کروں تو پھر ہری سے کام لے سکتے ہو۔ عورت ذاتِ دُنہ بے سے تھیں تھیں رہتی ہے اگر اس لڑکی میں کوئی عیب تھا تو ہم کہوں گیں کہ کشی کیا ہے میں نہیں۔ بتھارنی فرمت کھوٹ تھی؛ نہیں تو میرے پلے پڑنا تھا؟"

سنہا: "تیر سے کس نے کہا کہ وہ ایسی تھی؟ جیسے تم نے کسی سے سوچ رکھا، ویسے ہی ہم لوگوں نے سن کر مان لیا۔"

سدھا: "میں نے سن کر نہیں مان لیا، اپنی تھیں بکھوں سے دیکھا! زیادہ کیا تعریف کر دیں، جس نے ایسی خوب صورت عورت کی تھی نہیں دیکھی تھی؟"

سنبھا نے بیٹھا کر پوچھا ہے کیا وہ یہیں ہے؟ پس بنا دا سکو کہاں دیکھا؟ کیا تمہارے
گھر آئی تھی؟“ سندھا: ہاں میرے گھر آئی تھی، اور ایک نہیں بلکہ کئی بار آچکی ہے مگر بھی اس کے
یہاں کئی بار جا بھی ہوں۔ دکیل صاحب کی بیوی کا وہی لڑکی ہے جس کو آپ نے نقش کے سبب
چھوڑ دیا تھا؟“

سنبھا: ”پس؟“
سندھا: بالکل پس! آج اگر اسے معلوم ہو جاوے کہ آپ وہی حضرت ہیں تو شاید
پھر اس مکان میں قدم نہ رکھے۔ ایسی نیک مزاج گھر کے کاموں میں ایسی ہوشیا اور ایسی
شکل و صورت والی عورت میں اس شہر بند دوہی چار ہو شگی۔ تم میری تعریف کرتے ہو، میں تو
اس کی قرندی ہونے کے قابل بھی نہیں ہوں! گھر میں ایشور کا دیا سب کچھ ہے۔ مگر جب جوڑا
ٹھیک نہیں تو اور سب چیزوں کا ہونا کس کام کا، آفرین ہے اس کے ضبط و تحمل کو ایک بولٹھے
کھوست دکیل کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہی ہے۔ میں نے تو کب کاظم ہر کھالی ہوتا۔ مگر دل
کی بات کہنے ہی پر تھوڑا ہماری ہوتی ہے، بلکہ خود ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ ملتی ہے، بولتی ہے،
گھنے کپڑے پہنچتی ہے، مگر اس کا ایک ایک رو گھٹا رو یا کر جا ہے۔“
سنبھا: ”دکیل صاحب کی خوب شکایت کرنی ہوگی؟“

سندھا: شکایت کیوں گرے گی؟ کیا وہ اس کے شوہر نہیں ہیں؟ اب تر دنیا میں اس کے
کے لیے جو کچھ ہے وہ دکیل صاحب ہی ہیں۔ وہ بڑھے ہوں یا امریکی گریمیں تو اس کے شوہر
شریف عورت میں شوہر کی بھومنیں کرتیں، یہ بد ذاتوں کا کام ہے۔ وہ ان کی حالت دیکھ کر لامتحن
ہے، مگر زبان سے کچھ نہیں کہتی۔“

سنبھا: ”آن دکیل صاحب کو کیا سوچی تھی جو اس عمر میں بیاہ کرنے چاہے؟“
سندھا: ایسے آدمی نہ ہوں تو غربہ کنواریوں کی ناد کون پل دکالے؟ تم اور تمہارے
جیسے لوگ بلا بھاری گھٹری لئے بات نہیں کرت تو پھر یہ چھار میں کس کے گھر جاوے؟ تم نے
پیرا بھاری اتنا لے گیا ہے اور کہیں اس کا پرائش پت دکھارا، کرنا پڑے گا۔ ایشور اس کا
سماں امر کرے، مگر دکیل صاحب کو کہیں کچھ ہو گیا تو پیچاہی کی زندگی غارت مہد جاوے
ہی۔ آن وہ بہت روتی تھی۔ تم لوگ داقعی بڑے ہے رختم ہو! میں تو اپنے سوہن کا بیاہ کسی
غربہ لڑکی سے کر دیں گی۔“

ڈاکٹر صاحب نے آخری جملہ نہیں سن۔ وہ گھر میں فکر میں ڈوب گئے۔ ان کے دل میں

یہ سوال بار بار پیدا ہو گرے انھیں پریشان کرنے لگا کہ کہیں دکیل صاحب کو کچھ ہو گیا تو؟ آج انھیں اپنی خود غرضی کی خوفناک صورت نظر آئی۔ واقعی یہ انھیں کافصور تھا۔ اگر انھوں نے باپ سے باصراء کہا ہوتا کہیں اور کہیں بیاہ نہ کروں ٹھاتو دہ کیا ان کی مرضی کے خلاف ان کا ہیاہ کر دیتے ہیں؟

دفتار سہ حلزے کہا۔ اگر گھوٹو مکن نہ ملا سے تھماری ملاقات کر اداد دوں وہ بھی ذرا نہایت صورت دیکھ لے۔ وہ چھوٹے گل تو نہ گر شاید وہ ایک ہی نظر سے تھماری آئی ملاست کر دی گی کہ تم تمام عمر نہ جھوٹو۔ بو لوکل بلاد دوں تھمارا مختصر حال بھی تسلاد دوں گی۔^{۶۷}

سنہا نے کہا۔ نہیں سوہا، تھمارے ہاتھ جوڑنا ہوں۔ کہیں ایسا غصب نہ کرنا۔ در نہ میں پنج کہتا ہوں کہ ہر چور بھاگ جاؤں گا۔

سدھا: جو کامابو یا ہے اس کا پھل کھاتے کبوں اتنا ڈرتے ہو؟ جس کی گرد فاپر کٹا رہا ہے اسے ذرا تر پتا ہوا تو دیکھو۔ میرے دادا جی نے پانچ ہزار دینے نہ ہیں ابھی اجھی چھوٹے بھائی کے بیاہ میں پانچ چھوٹے ہزار اور مل جاویں گے۔ پھر تو تھا اسے برابر دلت مند دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہو گا! اس کا رہ ہزار بہت ہوتے ہیں۔ باپ رے باپ! گیارہ ہزار! انھا اٹھا کر رکھنے لگیں تو مہینوں لگ جائیں! اگر لڑکے اڑانے بھی کہیں تو یعنی پشتوں کو کامی بھوکھی سے گفتگو در پیش ہے یا نہیں؟^{۶۸}

اس طعن آمیز حلام سے ڈاکٹر صاحب اس قدر نادم ہو گئے کہ سرستک نہ انھا سکے ان کی ساری گویاں سلب ہو گئی۔ ذرا سارا منہ نکل آیا، گویا طالپتے پڑ گئے ہوں۔ اسی وقت کسی نے ڈاکٹر صاحب کو پکارا، ہچارے جانالے کر بھاگے۔ عورت طعنہ زنی میں کتنی ہوشیار ہوتی ہے، اس کا آج پتہ چل گیا۔

رات کو ڈاکٹر صاحب لیٹے ہوئے سدھا تے بولے۔ نر ملا کی تو گوئی بھیں اور بھے نہ؟

سدھا: ہاں آج اس کا تو ذکر گرتی تھی۔ اس کی فکرا بھی سے دامنگیرے۔ نر ملا پر تو جو کچھ سختی تھی بیت چلی، بہن کی فکر میں پڑی ہوئی ہے۔ ماں کے پاس تواب اور بھی کچھ نہیں رہا۔ مجبور اُسی ایسے بابا کے گھلے وہ بھی منڈھڑی مباوے گی۔

سنہا: نر ملا تواب ایسی ماں کی مدد کر سکتی ہے؟

سدھا نے تیز رہتے ہیں کہا۔ تم بھی کبھی کبھی بالکل بے سرپری کی باتیں کرنے لگتے ہو، نر ملا بہت کرے گی تو دو چار سور دپے دے دے گی، اور کیا کہ سکتی ہے؟ دکیل صاحب کا لیے جاں بھوکھ ہا ہے، اسے بھی پہاڑ سی عمر کا ٹھنک ہے! پھر کون جانے اس کے گھر کا کیا حال ہے؟ ادھر

جھ میئنے سے بیچارے گھر بیٹھے ہیں۔ روپے آسمان سے تھوڑا ہی برتستے ہیں۔ دس بیس ہزار ہوں گئے بھی تو بنک میں ہوں گے، کچھ نر ملا کے پاس تو رکھنے ہوں گے۔ ہمارا دوسرا ہزار کا خرچ ہے تو کیا ان کا عمار سو ماہو اس کا بھی نہ ہو گا؟“
سدھا تو سو گئی مگر داکٹر صاحب بہت دیر بنک کرو میں بدلتے رہے۔ پھر کچھ سو پر چھ اٹھے۔ اور بینز پر جا کر ایک خط لکھنے لگے۔

(۱۳۲)

تینوں باتیں ایک ساتھ ہی ہوئیں۔ نر ملا کے لڑکی پیدا ہوئی۔ کرشنا کا بیاہ ملے ہوا اور قشی طو طارام کا مکان نیلام ہو گیا۔ لڑکی کا پیدا ہونا تو معمولی بات تھی، اگرچہ نر ملا کی نگاہوں میں یہ اس کی زندگی کا اہم ترین واقعہ تھا۔ تقبیر دلوں واقعے غیر معمولی تھے کرشنا کا بیاہ ایسے باشوت خاندان میں کیوں نکر لے ہوا؟ اس کی ماں کے پاس تو جہیز کے نام پھولی گوڑی بھی نہ تھی۔ اور رادھر بڑھے سنہا صاحب جواب پیش لے کر مکان آگئے تھے، اپنی بولوں میں بڑے ہی لائی مشہور تھے۔ وہ اپنے لڑکے کا بیاہ ایسے مفلس گھرانے میں ملے کرنے پر تھے۔ رفماں دھوئے، کسی کو بیکاپ اس کا یقین نہ آتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ لمحب بیز امر میں جی کے مکان کا نیلام ہو جانا تھا۔ لوگ ملشی جی کو اگر لکھتی تھیں تو کم از کم بڑاً ادمی ضرور خیال کرتے تھے۔ ان کا مکان کیسے نیلام ہوا؟ بات یہ تھی کہ ملشی جی نے ایک مہاجن سے پچھلے روپے قرض لے کر ایک گاؤں رہن رکھا تھا، انھیں امید تھی کہ سال چھ میئنے میں یہ روپے ادا کر دیں گے۔ کیوں کہ زمیندار اصل اور سود کے سب روپے ادا نہ کر سکے گا۔ اسی امید پر ملشی جی نے یہ معاملہ کیا تھا۔ گاؤں بہت بڑا تھا، چار پانچ سور و پیہ سالانے سامانافع تھا۔ مگر دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔ ملشی جی اپنے کو بہت پنج سو بھانے پر بھی کچھ بھی کام نہ کر سکے؛ لڑکے کے سوگ نے ان میں کوئی حکام کر لئے کی طاقت تھی باقی نہ رکھی تھی کہ کون ایسا بیدرد باپ ہے جو لڑکے کے ملتوں پر تلوار پھیر کر بھی اپنے دل کو مطہن کر سکے؟

مہاجن کے پاس حصہ سال بھر کا سود نہ پہنچا اور نہ اس کے بار بار بلا نے پیش کیا اسے پاس ہی گئے، یہاں تک کہ آخری مرتبہ انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں، ساہو جی پاہے جو کروں، تو ساہو جو جی کو بھی غصہ آگی۔ اس نے نالش کر دی بھی جی جواب دہی کرنے پر بھی نہ گئے۔ یک طرفہ دُگری ہو گئی، یہاں مکان میں روپے کہاں رکھے تھے؟ اتنے ہی دلوں میں ملشی جی کو ساکھی زائل ہو گئی تھی۔ وہ روپے کا کوئی بندوق نہ کر سکے۔ تیسرا یہ کہ مکان نیلام پر چڑھ گیا۔ نر لازم چھ غلنے میں تھی نہ سرنسی تو کلیج دھک سے ہو گیا۔

زندگی میں اور کوئی سکھو نہ ہو نے پر بھی روپے پیسے کی فکر سے آزاد تھی۔ دولت اگر انسانی زندگی کھلے بھریں شے نہیں تو قریب قریب بہترین ضرور ہے۔ اب دیگر فروریات کے ساتھ اس تک اس کے سرید سوار ہوئی۔ اس نے دایہ سے کھلا بھیجا کہ میرے سب گہنے فروخت کر کے مکان کو پچا لیجئے مگر نشی جانے یہ مات کس طرح منظور نہ کی۔

اس روز سے نشی جی اور بھی مستقر رہنے لگے۔ جب امارت کا لطف اٹھانے کے لیے انھوں نے بیاہ کیا تھا، وہ اب اپنی کی محضن یاد کا دتھی۔ وہ اب پیشوانی سے نرملاؤپانامہ دکھلا سکتے تھے۔ انھیں اب اپنی اس بے نافضانی کا اندازہ ہو رہا تھا جو انھوں نے نرملہ کے ساتھ کی تھی۔ اور لڑکی کی دلائیت نے تو تفیہ کسر پور می کر دی۔ سب خواب ہی ہو گا!

پار ہوئی روز زچ غانے سے نکل کر نرملاؤزاں کے بچے کو گود میں لے شوہر کے پاس چلتی۔ وہ اس نادمہ کی حالت میں بھی اتنی خوش تھی گویا اسے کوئی فکر نہیں ہے۔ تھی بھی کوئی کو سینے سے لگا کر وہ اپنے سارے تفکرات کھو لگی۔ لڑکی کی کشادہ اور پرمسرت آنکھوں کو دیکھ کر اس کا دل شگفتہ ہو رہا تھا۔ مامتا کے اس ظہور میں اس کے سارے دکھ در در رہ رکتے تھے وہ لڑکی کو شوہر کی گود میں دے کر خوش ہو جانا چاہتی تھی مگر نشی لڑکی کو دیکھ کر ہم گئے انھیں اس کو گود میں لینے کا حوصلہ نہ ہوا مگر انھوں نے ایک بار اسے دکھ بھری نکال ہوں سے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ لڑکی کی صورت مسراام کے بالکل مشابہ تھی!

نرملانے ان کے دلی خیالات کی وجہ اور ہی تعبیر گی۔ اس نے سو گنے پیار کے ساتھ لڑکی کو سینے سے لگایا، گویا ان سے کہہ رہی تھی۔ اگر تم اس کے بوجھ سے دبے جاتے تو آج سے میں اس پر تمہارا سنا پہنہ پڑنے دوں گی۔ جسی ذریبے بہا کوئی نے اتنی ریاضت کے بعد پایا ہے اس کی تحقیر کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں پھٹ جانا، وہ اسی وقت لڑکی کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے اپنے کمرے میں چل گئی، اور دیر تک روئی رہی۔ اس نے شوہر کی اس بے دل کو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی۔ ورنہ وہ شاید ان کو بے در دخیال رکھ لے۔ اسکے سرید انساز مدار می کا انساز بر دست بار کھاں تھا۔ جو اس کے شوہر پر آپڑا تھا؟ کیا وہ سمجھنے کی کوشش کرتی تو اتنا بھی اس کی سمجھیں نہ آتا؟

نشی جما گو ایک ہی لمبے میں اپنی فلسفی کا احساس ہوا۔ ماں کا دل محبت میں اتنا محور ہتا ہے کہ مستقبل کی فکر و پریشانی سے اس کو ذرا بھی ہراس نہیں ہوتا۔ اسے اپنے دل میں ایسی طاقت کا احساس ہوتا ہے جو تمام تکالیف کو دور کر دینے کی کفیل ہوتی ہے۔ نشی جی نوراً دوڑے ہونے مکان میں گئے اور بچے کو گود میں لے کر بولے مجھے یاد آتا ہے کہ منہا بھی ایسا

ہی تھا، بالکل ایسا ہوا۔“

”دید می جی، صحی تو یہی کہتی ہے۔“
مشی جی آ بالکل وہی بڑی بڑی آنکھیں اور سرخ سرخ ہونٹ ہیں۔ ایشور نے مجھے
بپرے منارام کو اس شکل میں دیا۔ وہی پیشانی ہے، وہی منہ۔ وہی ہاتھ پر۔ ایشور تھا ری
لیلا اپار ہے!“

اتفاقاً اسی وقت رکنی بھی آگئی اور مشی جی کو دیکھتے ہی بول۔ دیکھو ہابو انسانام ہے
کہ نہیں؟ وہی آتا ہے۔ کوئی لاکھ کہے، میں نہ مالوں گی۔ صاف منارام ہے اسال بھر کے قریب
بھی تو ہو گیا۔“

مشی جی، بہن، ایک ایک منصوباتا ہے۔ بس ہجگواں نے مجھے میر منارام دیا۔ (چھپے)
کیوں رہی منارام ہی ہے؟ چھوڑ کر جانے کا نام نہ لینا ورنہ پھر کھنپ لاؤں گا۔ دیکھو بہن،
کیسا ٹکڑا کرنا کر رہا ہے!

اسی لمحے میں مشی جی نے دوبارہ آرزوں کا محل بنا نا شروع کیا۔ نفس نے انھیں
پھر دنیا ک طرف راغبی کیا۔ انسانی زندگی! تو تکنی ناپائیدار ہے۔ مگر تیرے منصوبے
کتنے دیستے! وہی طو طارام جو تارک الدنیا ہو رہے تھے، جو رات دن موت کو بلاتے رہتے
تھے۔ تنکے کا سہارا پا کر کنارے پر سنبھپے گے بعدا پندرہ بوری طاقت سے ہاتھ پر بارہے تھے
مگر تنکے کا سہارا پا کر کوئی کنارے پر سنبھپا ہے؟

(۵)

اگرچہ نر ملا کروانے ہی گھر کے جعبخت سے فر صحت نہ تھی، مگر کرشنکا کے بیاہ کی خبر ہاکر
وہ کسی طرح نہ سک سک۔ اس کی ماں نے اسے اصرار سے طلب کیا تھا۔ اس سے بڑی تری فیب
ی تھی کہ کرشنکا کا بیاہ اسی گھر ہیں ہو رہا تھا، جہاں خود نر ملا کا بیاہ پہلے طے ہوا تھا۔ تجھ
یہی نیکاکہ وہ اس مرتبہ بلا کسی جیزیز کے بیاہ کرنے پر راضی ہو گئے۔ نر ملا کو کرشنکا کے متعلق
بہت نشویں رہتی تھی۔ سمجھتی تھی کہ میری طرح وہ بھی کسی بڑھے کے گلے منڈھ دی جائے
گ۔ وہ بہت چاہتی تھی کہ ماں کی کچھ مدد کروں جس سے کرشنکا کے لیے کوئی اچھا لارکا مامل
سکے۔ لیکن ادھر کیل صاحب کی بیکاری اور مہاجن کی نالش کے سبب اس کا یاد تھا بھی انگ
خدا۔ ایسی حالت میں ابیں خبر سے اس کو بہت ملینا ہوا۔ رو انکی کی شروع کر دی۔ وکیل صاحب
ائیشن سک سپچانے گئے۔ تھی بھی سے انھیں بڑی محبت تھی۔ ابے چھوڑتے ہی نہ تھے جس تھی کہ نر ملا کے
سامنہ جائے کو نیار ہو گئے۔ مٹکر شادی کے ایک ماہ قبل ہی سے ان کا سرال میں جا گر رہنا

نر ملا کو مناسب نہ معلوم ہوا۔

نر ملانے اپنی ماں سے اب تک اپنی صیبیت کا عالیہ بیان نہ کیا تھا جو بات بُرگی اس کا رو نار دکر ماں کرنجھی رولانے سے کیا فائدہ؟ پس اس کی ماں سمجھتی تھی کہ نر لامہ ہائی آرام سے ہے۔ اب جو نر ملا کی صورت دیکھی تو گریا اس کے دل کو رہکا سا لگا۔ تیر کیا سرال سے گھل کر خیز آتیں، پھر نر ملا جیسی لڑکی جس کے لیے آسانی کے سبھی سامان موجود تھے۔ اس نے کتنی ہی لڑکیوں کو نیا چاند بن کر سرال جاتے اور پورا چاند بن کر واپس آتے دیکھا تھا۔ دل میں سورج رکھا تھا کہ نر ملا کا زنگ نکھر گیا ہو چکا اور اس کے ہر عضو کا رنگ روپ پکھ اور جسی ہو گیا ہو گا۔ اب جو دیکھا تو اس کا آدھا بدن بھی نہ رہ گیا تھا۔ نر شباب کی شرمی تھی اور نہ وہ متبرم جلوہ جو دل کو سمجھنے لیتا ہے۔ وہ خوب صورت وہ نزاکت جو آرام دا آسانی کی زندگی کا نتیجہ ہے یہاں نام کو زکھی چہرہ زرد اعضا رہست، حالت گری ہوئی۔ نر ملا اسی سال ہی کی عمر میں بھی پورا ہو گئی تھی! جب ماں بیٹیاں رو دھو کر فارغ ہو گئیں تو ماں نے پوچھا، کبھیوں رہی اگریا وہاں بھی کھانے کو نہ ملتا تھا؟ اس سے کہیں اچھی تو تو سیئیں تھیں۔ وہاں بھی کھانے کیا تسلیف ہوئی؟

کرشنا نے بہس کر کہا، وہاں مالکہ تھیں کہ نہیں! مالکہ کو جو دنیا بھر کے نظرات رہتے ہیں کہا ناکب کھا بیں؟

نر ملا: نہیں اماں دیاں کی آب و ہوا اپرے موافق نہیں۔ طبیعت بھارتی رہا کرنی میے؟
ماں: وکیل صاحب شادی میں آدمیں چھے نے؟ اس وقت پوچھو گئی کہ اپنے بچوں تی لوگوں لے جا کر اس کی پر گست بنادیا۔ اچھا اب یہ بتا کر تو نے روپے کیوں بھیجے تھے؟ میں نے تو بچھ سے کبھی نہ مانگے تھے۔ لا کہ گھوڑی گزری ہوں، مگر میں کادھن گھانے کی بنت نہیں!

نر ملانے حیرت سے پوچھا۔ کس نے روپے بھیجے تھے، اماں؟ میں نے تو نہیں بھیجے:
ماں: جھوٹ نہ بول! تو نے پارچ سو کے نوٹ نہیں بھیجے تھے؟

کرشنا: بھیجے نہیں تھے تو کیا آسمان سے گرفتارے؟ مہتا رانام صاف لکھا تھا، بُر بھی وہاں کی تھی۔

نر ملا: مہتا رے پر چھوکر کرتی ہوں کہ میں نے روپے نہیں بھیجے۔ یہ کب کی بات ہے؟
ماں: ارے یہی دو ذہانی سیئے ہوئی گے۔ مگر تو نے نہیں بھیجے تو اے گہاں سے؟

نر ملا: یہ میں کیا جانوں؟ میں نے روپے نہیں بھیجے۔ ہمارے یہاں توجہ سے جوان بیٹا مرا ہے، پکھری ہی نہیں جاتے۔ میرا ہاتھ تو اپنے ہی تنگ کھا۔ روپے کہاں سے آتے؟

ماں: "یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ وہاں اور کوئی تیراقریبی رشته دار تو نہیں ہے، بلکہ صاحب نے تجھ سے چھپا کر تو نہیں کھینچیے؟"
نر ملا: "نہیں اماں، مجھے ترلیقیں نہیں۔"

ماں: "اس کا پتہ لگانا چاہیے، میں نے سارے روپے گرفنا کے گھنے کپڑے میں خرچ کر ڈالے۔ یہی بڑی مشکل ہوں۔"

دو لوگوں نے کسی بات پر حکمداً اثر دی ہوا اور گرفنا اس کا پیشہ رکھنے اور چل گئی تو نر ملا نے ماں سے کہا۔ اس بیان کی بات سن کر مجھے ٹہرا تعجب ہوا یہ کہیے ہوا، اماں؟"
ماں: "یہاں جو ستمبھے وہی تعجب گرتا ہے۔ جن لوگوں نے طے شدہ شادی سے انکار مرد یا اتنا، اور وہ بھی سمجھنے کے لائے ہے، وہاں بغیر کچھ لیے کیے بیا، مگر پر نیا رہ گئے، یہ بات سمجھیں نہیں آتی کہ انہوں نے خود جسی خط بھیجا۔ میں نے صاف لکھ دیا کہ میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے، صرف کہتا ہی سے آپ کی خدمت کر سکتی ہوں۔"
نر ملا: "اس کا کچھ جواب نہ دیا؟"

ماں: "شاستری جی خط لے گئے تھے۔ وہ تو یہ کہتے تھے کہ اب منشی جی کچھ لینے کے خواہش میں نہیں ہیں، اپنی سابق و عده غلامی پر کچھ نا دم بھی ہیں۔ منشی جی سے تو اتنی فیاضی گی اسید، نہ تھی مگر سستی ہوں کہ ان کے بڑے صاحبزادے نہایت شریف ارمی ہیں، انہوں نے کہہ سن کر باپ کو راضی کیا ہے؟"

نر ملا: "پہلے تو وہ حضرت بھی تھیں چاہتے تھے نہ؟"
ماں: "ماں، مگر اب تو شاستری جی کہتے تھے کہ جہیز کے نام سے چڑھتے ہیں۔ مٹاہے کہ یہاں بیاہ نہ کرنے پر بحث تے بھی تھے۔ روپے کے لیے بات بکھاری تھی اور روپے بھی خوب لئے مکھر عورت پسند نہیں!"

نر ملا کے دل میں اس شخص کو دیکھنے کی زبردست خواہش ہوئی جو اس سے بے خی
گر کے اب اس کی بہن کا اذکر کرنا چاہتا تھا۔ کفار و سہی، مگر کتنے ایسے انسان ہیں جو
اس کفارے کے لیے بھی تیار ہوں؟ ان سے باتیں کرنے کے لیے، ملامم الفاظ میں ان کی
لامت کرنے کے لیے اور اپنے حسن بے نظیر کی جھلک سے انھیں اور بھی جلانے کے لیے نر ملا
کا دل بے چیز ہو گہا۔ رات کو دلوں بہنیں، ایک ہی کمرے میں سوئیں۔ محلہ میں کون کون لاکیوں
کا بیاہ ہو گیا، کون کون کے بچے ہوئے، کس کس کا بیاہ دھوم دھام سے ہوا، کس کس کو غاطر
خیلہ شوہر لے، کون کتنے اور کیسے ٹھنڈے چڑھاد سے ملایا، انھیں مسلکوں پر دونوں میں بڑی

دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ کر شنا بار بار چاہتی تھی کہ بہن کے گھر کا کچھ مال دریافت کروں مگر نرالا اس کا موقع نہ دیتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ جو بائیں یوچے گی اسی کے بتلانے میں مجھے تاثل ہو گا۔ آخر ایک بار کر شنا پوچھتی ہی بیٹھی جیجا جی آئیں گے نہ ہے۔

نرالا؟ آنے کو کہا تو ہے۔

کر شنا؟ اب تو تم سے خوش رہتے ہیں نہ، یا اب بھی وہی مال ہے؟ میں تو سن سکتی تھی کہ دوبارہ شادی کرنے والے لوگ اپنی بیوی کو مان سے زیادہ غریب رکھتے ہیں، مگر میاں بالکل ائمہ ہی بات دیکھی۔ آخر کس بات پر بحث نہ رہتے ہیں؟

نرالا؟ اب میں کسی کے جی کی کیا جائیں؟

کر شنا؟ میں تو سمجھتی ہوں کہ مہنگی رکھائی سے وہ چڑھتے ہوں گے۔ تم تو یہیں سے مل بھون گئی تھیں، وہاں بھی انھیں کچھ کہا ہو گا؟

نرالا؟ یہ بات نہیں ہے کر شنا! ہیں قسم کا گھر ہتھی ہوں کہ جو میرے دل میں ان کی طرف سے ذرا بھی میل ہو۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی خدمت کرتی ہوں۔ اگر ان کے بھائے کوئی دیوتا بھی ہوتا تو بھی میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکتی۔ انھیں مجھ سے محبت ہے، مگر میرا منہ دیکھتے رہتے ہیں، لیکن جو بات ان کے اور میرے قابو سے باہر ہے اس کے لیے وہ کیا کر سکتے ہیں اور میں کیا کر سکتی ہوں؟ جو جوان سر سکتے ہیں، نہیں بوزھی ہو سکتی ہوں جوان پہنچ کے لیے وہ نرم جانے کتنے بہت شہزادے ہاتھ کھاتے رہتے ہیں، میں بھی بوزھی ہو جانے کے لیے دو رومھی سب ترک کر دیجی ہوں۔ سوچتی ہوں کہ میرے دلبے ہوتے ہی سے مل کا فرق پکھ کر مہجاوے، مگر زانھیں متغیری چیزوں سے کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ مجھے فاتح ہے! جب سے مسازام کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی حالت اور بھی اب تر ہو گئی ہے۔

کر شنا؟ مسازام کو تو تم بھی بہت پیار کرتی تھیں؟

نرالا؟ وہ لڑاکا ہی ایسا تھا۔ ایسی بڑی بڑی ذور سے دار آنکھیں میں نے کسی کی نہیں دیکھیں۔ کنوں ساچھرہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ جنمی ایسا تھا کہ موقع پر آگ میا بھی کو دپڑتا! کر شنا! میں مجھ سے پچھتے کہتی ہوں کہ جب وہ میرے پاس آ کر میڈھ جاتا تھا، تو میں اپنے کو کھول جاتی تھی۔ جی چاہتا کہ یہ ہر دم سامنے میڈھا رہے اور میہا دیکھا کروں۔ میرے دل میں پاپ کا نام نہ تھا اگر ایک لمحے کے لیے بھی میں نے اس کی طرف کسی اوزیت سے دیکھا ہے تو میری آنکھیں پھوٹ جائیں، مگر نہ عالیے کیوں اسے اپنے پاس دیکھو کر میرا دل پھولانہ سما تا تھا۔ اسی لیے میں نہ پڑھنے کا سوانگ رچا درندہ نہ کھینچتا ہی۔

د تھا۔ یہ میں جاتی ہوں کہ اگر اس کے دل میں پاپ ہوتا تو میں اس کے لیے سب کچھ کر سکتی تھی۔“

کر شنا：“اوے بہن، چپ رہو، کیسی باتیں منہ سے نکالتی ہو؟”
نر ملا：“ہاں، یہ بات سننے میں بری معلوم ہوتی ہے اور ہے بھی بری۔ مگر انسانی فطرت کو تو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ تو ہم بتا، ایک پچاس برس کے مرد سے تیرلیاہ کہ حادثے تو تو کیا کرنے کا؟”

کر شنا：“بہن، میں تلوذ ہر کھا کہ سو رہوں، مجھے تو اس کامنہ بھی دیکھتے نہ بنے؟”
نر ملا：“تو بس یہی سمجھ لے: اس لڑکے نے کبھی میری طرف آنکھوں اٹھا کر نہیں دیکھا، مگر پڑھے شکی تو ہوتے ہی ہیں، تمہارے جیسا اس لڑکے کے دشمن ہو گئے اور آخر اس قبیلے کو چھوڑ رہی جس سے معلوم ہو گیا کہ باپ کے دل میں میری طرف سے شہر ہے اسی روز سے اس کو خارچڑھا جو جان لے کر ہی اتر۔ ہائے وہ آخری وقت کا لفڑاہہ ہمگوں سے او جھل نہیں ہوتا۔ میں اسپتال گئی تھی، وہ بیماری میں یہ وہ پڑھتا، اجتنے کی ملاقات نہ تھی۔ مگر جو ہی میری آواز سنی کہ چونک کراٹھ میٹھا اور اماں اماں کہہ کر میرے پر میرے پر جو اس کو غسل لے گیا۔ پھر اس نے آنکھیں نہیں کھولیں؛ ڈاکٹر نے اس کے جسم میں تانہ خون پہنچانا تجویز کیا تھا۔ یہی سن کر میں دوڑی گئی تھی لیکن جب تک ڈاکٹر لوگ وہ مصل شروع کریں، اس کی جان ہی ہوا ہو گئی۔“

کر شنا：“تازہ خون پہنچ جانے سے اس کی جان بچ جاتی؟”

نر ملا：“کون جانتا ہے؟ مگر ہم تو اپنے خون کا آخری قطرہ تک دے ڈالنے پر آمادہ تھیں۔ اسی حالت میں ہم اس کا چہرہ چک رہا تھا۔ اگر وہ مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر میرے پرلوں پر نہ گر ٹپنا، اگر پہلے ہی کچھ خون بدنا میں پہنچ جاتا تو شاید بچ بھی سکتا۔“

کر شنا：“تو تمہرے اس کو اُسی وقت لٹا کیوں نہیں دیا تھا؟”

نر ملا：“اوے پیچلی! تو نے ابھی بھی بات نہیں سمجھی۔ وہ میرے پیچروں پر گر کر اور مان بیٹے کا رشتہ دکھلا کر اپنے ہاپ کے دل سے وہ شہر دور کرنا پاہتا تھا صرف اسی لیے وہ اٹھا تھا۔ میری تکلیف رفع کرنے کے لیے اس نے جان دی اور اس کی وہ خواہش پوری ہو گئی۔ تمہارے جیسا اسی دن سے سیدھے ہو گئے۔ اب تو ان کی حالت پر مجھے رقم آتا ہے۔ بیٹے کا فہرمان کی جان لے کر چھوڑ یا۔ مجھ پر شک کر کے میرے ساتھ جو نامصالقی کی ہے، اب اسکی تلافی کر رہے ہیں۔ اب کے ان کی شکل دیکھو گرتے تو جائے گی بُرے سے بابا بن گئے ہیں۔ مگر بھی

کچھ جگ گئی ہے۔"

کرشا: "بُدھے اتنے شگنی کیوں ہو تھیں، ہم ہے؟"

زرملہ: "یہ جا کر بُدھوں سے پوچھو!"

کرشا: میں تو سمجھتی ہوں کہ ان کے دل میں، بردام ایک چور سا بیمار بتا ہو گا کہ میں اس نو براں خود کو خوش نہیں کر سکتا۔ اسی لیے ذرا ذرا اسی بات پر انھیں شک ہونے لگتا ہے۔

زرملہ: "جانتی تو ہے بُدھو سے کیوں پوچھتی ہے؟"

کرشا: "اسی لیے تیپارہ خورت سے دباتا بھی ہو جما۔ دمکھنے والے سمجھتے ہوں گے، اکیرہ بہت پیار کرنا ہے۔"

زرملہ: "تو نے اتنے ہی دنوں میں آئی بائیں کہاں سے سیکھ لیں؟ انہاں کو جانے کے بتا سمجھے اپنادو لہاپنند ہے؟ اس کی تصریر تو دسمبھی ہو گی؟"

ایک لمحے میں کرشا نے اپنی تصریر لائز ملا کے ہاتھ میں رکھ دی۔ زرملہ نے سکرا کر کہا۔ "تو ہر ہمی خوش فیض ہے!"

کرشا: "ماں تی نے بھی بہت پسند کیا ہے۔"

زرملہ: "مجھے پسند ہے کہ نہیں، یہ بتلا؛ دوسروں کی بات نہ کر!"

کرشا: (رشمانی ہوں) صورت تو برمی نہیں ہے۔ میزان کا حال ایشتر جانے شاستری ج تو کہتے تھے کہ ایسے نیک مزاج اور نیک چلن لوگوں کے گھم ہوں گے۔"

زرملہ: "سیاہ سے تیری تصریر یعنی کتنی بھی؟"

کرشا: "گئی تو کھنی، شاستری جی ہی لے گئے تھے!"

زرملہ: "اکھیں پسند آں!"

کرشا: اب کسی کے دل کی بات میں کیا جاؤں؟ شاستری جی تو کہتے کہ بہت خوش ہوتے تھے:

زرملہ: "اپنابتا تھے سی تھفہ دریں؛ اکھی سے بتلا دے کر جزا رکھوں۔"

کرشا: جو ستمبارا جی چاہے، دینا، اکھیں کتابوں سے بہت رغبت ہے۔ عمدہ: عمدہ کتابیں منگوار دینا۔"

زرملہ: "ان کے لیے نہیں پوچھتی۔ تیرے لیے پوچھتی ہوں۔"

کرشا: "اپنے ہی لیے تو میں بھی کہنی ہوں۔"

زرملہ: "دنصریوں کی طرف دمکھتی ہوں؟ کبڑے سب کھدر کے معلوم ہوتے ہیں؟"

کر شنا؟ ہاں کھدر کے بڑے پر بھی ہیں۔ سنتی ہوں کہ پیٹھ پر کھدر لا دکر وہیا توں میں بھینپ جایا کرتے ہیں۔ لیکن پھر دینے میں بھی ہوشیار ہیں۔“
ز ملا：“تب تو مجھے بھی کھدر پہننا پڑے گا، مجھے نوم روٹے کپڑوں سے جڑھ ہے۔”
کر شنا：“جب انھیں موٹے کپڑے پسند ہیں تو مجھے کیوں جڑھ ہوگی؟ ہیں نے ترچھہ چلانا سمجھ لیا ہے؟”

ز ملا：“پتے! سوت کات لیتی ہے؟”
کر شنا ہم ابھیں! تھوڑا تھوڑا کات لیتی ہوں۔ عجبوہ کھدر کے اتنے شائقہ میں تو چرخہ بھی فرور چلا تے ہوں گے۔ میں نہ چلا سکوں گی، تو مجھے کتنی شرم معلوم ہوگی۔“
اسی طرح ہاتھ کرنے دلوں ہمیں سو گئیں۔ تقریباً دو بیجے رات کو کئی روئی تو ز ملا کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کر شنا کا بلند گال پڑا۔ ز ملا کو تھب سوآ کہ اتنی رات گئے کر شنا کہاں چلی گئی۔ شاید پالی پینے کئی ہو۔ مگر پانی تو سرپا نے رکھا ہوا ہے، پھر کہاں گئی؟ اس نے دو بیان بار اس کا نام لے کر پکارا! مگر کر شنا کا پتہ نہ مختا۔ تب ز ملا مجھہ اٹھی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے اندر لیتے ہوئے لگئے۔ دفتا اسے خیال آیا کہ شاید اپنے کمرے میں ز جلی کئی ہو۔ پھر کے سو جانے پر وہ اٹھ کر شنا کے کمرے کے دروازے پر گئی۔ اس کا خیال تھیک نہ تھا۔ کر شنا اپنے کمرے میں تھی۔ سارا اگھر سورہا نہ تھا اور میٹھی چرخہ چلا رہی تھی۔ اسی محکیت سے شاید اس نے تھیسٹر بھی نہ دیکھا ہو گا۔ ز ملا دنگ رہ گئی۔ اندر جا کر بولی یہ کیا کرتے ہے، ارے! چرخہ چلانے کا وقت ہے۔
کر شنا چونک کراٹھ میٹھی اور شرم سے سر جھکا کر بولی۔ تمہاری نیند کیسے کھل گئی؟ پال بھی تو وہیں رکھ دیا تھا۔“

ز ملا：“ہیں کہتی ہو گردن کو تھے وقت نہیں ملتا۔ جورات کے کھلپے پھر ہمیں چرخہ کیتھی ہے۔”
کر شنا：“دن میں تو فرصت ہی نہیں ملتی۔”

ز ملا：“رسوت دیکھ کر، رسوت تو بہت باریک ہے۔”
کر شنا：“کہاں بھیں ایہ رسوت تو مٹا ہے۔ میں باریک رسوت کات کران کے لیے ایک صاف مذوا ناچاہتی ہوں، سیپی بھری صحیح ہو گا۔”

ز ملا：“بات تو تم نے خوب سوچی ہے، اس سے زیادہ قیمتی چیزان کی نگاہوں میں اور سیاہوں گی؟ اچھا اٹھا اس وقت! مل کاتنا۔ کہیں بیمار ہو جائے گی۔ تو یہ سب دھرارہ جائیگا۔”

کر شنا：“نہیں میری بھیں! تم جا کر سو رو میں بھی آتی ہوں۔”

نر ملانے زیادہ اصرار نہیں کیا؛ لیتے چلی گئی مگر نہیں آئی۔ کر شنا کا پیارا شتیاق و حوصلہ دیکھ کر اس کا دل سی نا معلوم تحریک سے منحر ہوا۔ آہ، اس وقت اس کا دل کتنا خوش ہو رہا ہے۔ محب نے اس سے کتنا مست بنا کر کھا ہے اس وقت اپنے بیاہ کی بیاد آئی۔ جس روز تک گھاہ تھا سی روز سے اس کی ساری شوٹی، ساری اذندہ دلی، خصت ہو گئی تھی! وہ اپنی کو تحریر میں ہی اپنی قسمت کو روشنی تھی اور ایشور سے بینتی کرتی تھی کہ جان نکل جاوے! جس طرح ہر مرمر سڑا کا انتقال کرتا ہے۔ اسی طرح وہ بیاہ کے دن کو دیکھو رہی تھی، جس بیاہ میں اس کی ساری تمناؤں کا خون ہو جاوے گا۔ جس بیاہ کے منڈپ میں بنے ہوئے ہوں گنڈ کے اندر، اس کی تمام اسرار اسید بیں جل کر غاک سیاہ ہو جاوے گی!

(۱۴)

مہینہ گزرتے دیر نہیں لگتی۔ بیاہ کا شبھہ ہو رہا اپنیجا۔ مہانوں سے مکان بھر گیا۔ فرش طو طaram ایک روز قبل ہی آگئے اور ان کے ساتھ نر ملا کی شکھی بھی آئی۔ نر ملانے تو زیادہ اصرار نہ کی تھا۔ اس نے خود ہی آئے کا حوصلہ کیا تھا۔ نر ملا کی سبجے ٹری خواہش یہی تھی کہ دلوها کے ٹبرے بھائی کے دشمن کروں گی اور بشری طامکن ان کی خبر اندیشیں کاشکریجادا کر دوں گی۔
سدھا نے میس کر کہا: ”تم ان سے بول سکر گی؟“
نر ملا: ”کیوں بولنے میں کیا ہرج ہے؟ اب تو دوسرا ہی رشتہ ہو گیا۔ اور میں بول سکو گی تو تم موجود ہی ہو۔“

سدھا: ”زکھی، بجھ سے یہ نہ ہو گا۔ غیر مرد سے نہیں بول سکتی۔ نہ جانے کیسے آدمی ہوئے۔“
نر ملا: ”آدمی تو بڑے نہیں ہے۔ اور نہیں کچھ بیاہ تو کرنا نہیں، ذرا سایلے میں کیا ہرج ہے؟
ڈاکٹر صاحب یہاں بھوتے تو میں تجھے اجازت دیتی۔“

سدھا: ”حوالگ دل کے فیاض ہوتے ہیں، کیا ان کا چال چلن بھی اچھا ہوتا ہے؟ پران عورت کو تاکنے ہیں تو کسی مرد کو ناصل نہیں ہوتا۔“

نر ملا: ”اچھا نہ بولنا، یہی خود ہی ماہیں کر لوں گی۔ تاک لمی گے جتنا تاکتے ہے گا۔ بس اب تو راضی ہو گیں۔“ اتنے میں کر شنا اگر پیچھے گئی۔ نر ملانے مسکرا کر کہا: ”پس بنا کر شنا! تیرا دل اس وقت کیوں اچاٹ ہو رہا ہے؟“

کر شنا: ”ججا جی پیار ہے ہیں، پہلے جا کر سن آؤ پھر غپ شپ کر لینا۔ بہت بگڑ رہے ہیں۔“

نر ملا: ”کیا ہے؟ تو نے کچھ پر چھا بیسیں؟“

کر شنا: ”بچھہ بیمار سے معلوم ہوتے ہیں، بہت دبلے ہو گئے ہیں۔“

نر ملا: "تو فرا بیٹھ کر ان کا دل بہلادیتی سیاں دوڑی کیوں جملی آئی؟ یہ کہہ کر الشور نے اپنا فضل کیا اور نہ ایسا ہی صرد مجھے بھی ملتا۔ فرا بیٹھ کر باتیں تو کر ابھے ہے میرے لمحے دار باتیں کرتے ہیں، جو ان سے اتنا بڑھ بڑھ کر باہمیں نہیں گرتا۔"

کرشنا: "نہیں بہن، تم جاؤ! مجھ سے تو وہاں نہیں بیٹھا گتا۔"

نر ملا: جی گئی تو سدھانے کر شنا سے کہا: "اب تو بارات آگئی ہوگی دروازہ چار کبوں نہیں ہوتا ہے۔"

بکیا جانے بہن، شاستری جی سامانِ اکٹھا کر رہے ہیں۔"

سدھا: "سنا ہے کہ دولھا کی بھاونج بہت گزے میانچ کی عورت ہے۔"

کرشنا: "کیسے معلوم ہوا؟"

سدھا: "میں نے سنا ہے؛ اسی لیے آجہا کئے دتی ہوں۔ چار باتیں تم کھا کر رہنا ہو گا؛ کرشنا؟ میرنی بھنگڑے کی عادت ہی نہیں ہے۔ جب میرنی طرف سے کوئی شکایت ہی نہ ہوگا تو میکا خواہ بگڑے گی؟"

سدھا: "ہاں سنا تو ایسا ہی ہے، جھوٹ موث لڑا کر تی ہیں۔"

کرشنا: "میں تو سربات کی ایک بات جانتی ہوں۔ عاجزی پتھر کو بھی ہوم کر دتی ہے۔"

دفعتاً شور بیکار بارات آرہی ہے۔ دونوں انکے کرکھڑے کی کے سامنے جائیں۔ ایک لمحے میں نر ملا جمی وہ آگئی۔ اس کے دل میں دولہا کے بڑے بھالی گود کھینچنے کی بڑی خواہش ہو رہی تھی!

سدھا نے کہا: "یہ کیسے پتہ چلے گا کہ بڑے بھالی گون ہیں؟"

نر ملا: "شاستری جی ہے یو چھو تو معلوم ہو۔ ہاتھی پر تو کرشنا کے سر نہیں ہیں۔ اچھا دل تھا بیان کیسے آپنے؟ وہ گھوڑے پر کیا ہیں، دیکھتی نہیں ہوں؟"

سدھا: "ہاں ہیں تو وہی۔"

نر ملا: "ان لوگوں سے دوستی ہو گی۔ کوئی رشتہ تو نہیں ہے؟"

سدھا: "اب بلا قلت ہو تو یو چھوں۔ مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہے؟"

نر ملا: "پاکی ہیں جو صاحب سمجھے ہوئے گیں؛ وہ دولہا کے بھالی جیسے دکھال نہیں دیتے۔"

سدھا: "بالکل نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارے جسم میں بیٹھ ہی پیٹھ ہے۔"

نر ملا: "دوسرے ہاتھی پر کون بیٹھا ہو لے، اس بھو میں نہیں آتا۔"

سدھا: "کوئی ہو دولہا کا بھال نہیں ہو سکتا۔ اس کی غرضیں دیکھتی ہوں۔ جالیں کے اوپر ہو گی۔"

نر ملا؟ شاستری جی تو اس وقت دوار پر جا کی فکر میں ہیں در دن ان سے پوچھتی؟
اتفاقاً جام آگیا۔ صندوقوں کی کنبیاں نر ملا کے پاس تھیں۔ اس وقت دروازہ چار کیلئے
پکھو روپیوں کی ضرورت تھی۔ ماں نے بھیجا تھا۔ یہی جام پنڈت موئے رام جی کے ساتھ تک
لے گر گیا تھا۔ نر ملانے کہا۔ گیا ابھی روپے پاہیں؟“

جام：“ماں بھن جی، چل کر دیدیجئے۔”

نر ملا：“اچھا۔ ٹپتی ہوں۔ پہلے یہ بات بتلا کر تو دلہا کے بڑے بھائیوں کو پہچانتا ہے۔”

جام：“پہچانتا کا ہے نہیں، وہ کیا سامنے ہیں؟”

نر ملا：“کہاں؟ ہیں تو نہیں دیکھتی۔”

جام：“اے وہ کیا گھوڑے پر سوار ہیں، وہی تو ہیں۔”

نر ملانے تعجب سے کہا：“کیا کہتا ہے؟ گھوڑے پر دلہا کے بھائی ہیں۔ پہچانتا ہے کہ مکمل
سے کہہ رہا ہے؟”

جام：“اے بھن جی، کیا اتنا بھول جاؤں گا۔ ابھی تو کلیو ادا ناشناہ کا سامان دیئے
چلا آتا ہوں۔”

نر ملا：“اے یہ تو داکٹر صاحب ہیں، امیر پڑوس میں رہتے ہیں۔”

جام：“ماں ہاں، وہی تو داکٹر صاحب ہیں۔”

نر ملانے سدھا ک طرف دیکھ کر کہا：“ستی ہو ہیں، اس کی ہاتھیں؟”

سدھا نے سنسی فبلٹ کر کے کہا：“جھوٹ بولتا ہے۔”

جام：“اچھا سرکار، جھوٹ ہی سہی۔ اب بڑے کے منہ کون لگے؟ ابھی شاہری جی سے پوچھوا
درنگاتب تو مانے گا۔”

جام کے جانے میں دیر ہوئی تو موٹے رام خود میخیں جا کر شور میانے لگے۔ اس گھر کی
مرہاد (غزت) ارکھنا ایشور ہی کے ہاتھ ہے۔ نالی گھنٹے سے آیا ہوا ہے اور ابھی بند روپے
نہیں ملے۔

نر ملا：“ذرابہاں چلے آئے گا، شاستری جی! کتنے روپے چاہیں؟ نکال دو۔”
شاستری گنگنا تے اور زور زور سے ہانپتے ہوئے اور پر چلتے۔ اور ایک لمبی سانس لیکر
بولے۔ کیا ہے؟ یہ باتوں کا وقت نہیں ہے، جلدی سے روپے نکال دو۔

نر ملا：“لیجئے نکال ہی دی ہوں، اب کیا منہ کے بل گھر پڑوں؟ پہلے یہ بتائیجے کہ دلہا کے
بڑے بھائی کون ہیں؟”

شاستری: ”رام رام، اتنی سی بات کے لیے مجھے آسمان پر لٹکا دیا۔ نالی کیا نہ جاتا تھا؟“
نر ملا: ”نالی تو مگتہا ہے کہ وہ جو گھوڑے پر سوراہیں وہیں ہیں۔“

شاستری جی: ”تو پھر اور کے بتائے؟ وہی تو جیسی ہی!“

نالی: ”گھر میں بھر سے کہہ رہا ہوں، بہن جی ماتحتی ہی نہیں۔ نر ملانے سدھاک طرف محبت
نداق اور مصنوعی حقارت کی نظر سے دیکھ کر کہا۔ اچھا تو تمہیں اب تک میرے ساتھ یہ تریا چھتر
کر رہی تھیں۔ میں جاتتی تو تمہیں ملانی ہی نہیں۔ آہ بڑا آگھرا پیٹھے ہے تمہارا! تم مہینوں سے
میرے ساتھ یہ شرارت کرتی چلی اُر ہی ہو۔ اور کبھی سمجھوں کر کبھی اس بات کے متعلق ایک لفظ
تمہاری زبان سے نہیں نکلا۔ میں تو دو چار دن میں اُبیل پڑتی۔“

سدھا: ”تمہیں معلوم ہو جاتا تو تم میرے بہاں آتی ہی کیوں؟“

نر ملا: ”اُن غصب ایسی ڈاکٹر صاحب سے کئی بار باتیں کر چکی ہوں۔ تمہیں پریسا را پہ
پڑے چکا۔ دیکھی کر شنا تو نے اپنی جھانک کی مشرارت؟ یہ ایسی جلسے از ہیں، ان سے درست رہنا۔“
کر شنا: ”میں تو ایسا دیونی کے پیرو دھر دھو کر مانع پر لگاؤں گی۔ دھنیہ بھاگ کر ان کے
درشنا ہوئے!“

نر ملا: ”اب سمجھ گئی، روپے بھلی تمہیں نے سمجھوائے ہوں گے۔ اب سر لہا یا تو سچ کہتی ہوں
مار میتوں گی۔“

سدھا: ”اپنے گھر بلا کر مہاں سماں آر رہنیں کیا جاتا؟“

نر ملا: ”دیکھو تو ابھی کیسی کیسی خبر لئی ہوں۔ میں نے تمہاری دلبوٹی کے لیے ذرا سالکھہ دیا
تھا۔ اور تم سچ پچ آپنیں سجلاؤ بائ کے لوگ کیا کہتے ہوں گے؟“

سدھا: ”سب سے کہہ کر آں ہوں۔“

نر ملا: ”اب تمہارے پاس کبھی نہ آؤں گی۔ اتنا نو اشارہ کر دیتیں کہ ڈاکٹر صاحب سے
پردہ رکھنا۔“

سدھا: ”اُن کے دیکھ لینے ہی سے کون برائی ہو گئی؟ نہ دیکھتے تو اپنی قسمت کو روشن
کیسے؟ جانتے کیسے کہ لایچ میں بڑے کر کیسی چیز کھو دی؟ اب تو تمہیں دیکھو کر لالہ صاحب
ہاتھ مل رہ جلتے ہیں۔ ممنہ سے تو کچھ نہیں کہتے مگر انپی غلطی پر بہت بچھتا تھے ہیں۔“

نر ملا: ”اب تمہارے گھر کبھی نہ جاؤں گی۔“

سدھا: ”اب پنڈ نہیں چھوٹ سکتا۔ میں نے کون تمہارے گھر کی راہ نہیں دیکھی۔“
روازہ چار فتحم ہو گیا۔ مہاں شیخے ناشستہ کر رہے تھے۔ بخشی طو طارام کے پاس ہی

ڈاکٹر سنہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ نرملانے چک کی اگوٹ سے انہیں سٹیجے دیکھو دہ اپنا دل مقام کر گئنا۔ ایک صحت شہاب اور زینت کا دیوتا تھا اور دوسرا۔ اس بارے میں کچوڑ کہنا ہی مناسب ہے۔ نرملانے ڈاکٹر صاحب کو سیکڑوں بار دیکھا تھا۔ مگر اُج اس کے دل میں جو خیالات پیدا ہوئے وہ کبھی ذہن سے تھے۔ بار بار کبھی جی چاہتا تھا کہ بلا کرنو ب فیصلت سکروں۔ ایسے اپنے طعنے کے درجہ بھی یاد کریں۔ روایا اور لاؤ کر جھوڑوں، مگر سہم کر رہ جاتی تھی۔ بارات جزو اسے ملی گئی۔ کھانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ نرملانے کے خفاف سجانے میں معروف تھی کہ دفعتاً مہری نے آگ کر کھا۔ میٹی! تمہیں سدھا بلارہی میں، تمہارے کمرے میں میٹی ہیں۔“

نرملانے خفاف چھوڑ دیا اور گھرالی ٹھوٹ سدھا کے پاس گئی۔ مگر انہوں نے قدم رکھنے ہی شکر گئی۔ ڈاکٹر سنہاں کھڑے تھے۔

سدھا نے سکر آئر کھا۔ لوہیں بلا دیا۔ اب جتنا چاہو ڈاٹ لو، میں درعا زہ رو کے کھردی ہوں، بھاگ نہیں سکتے۔“

ڈاکٹر صاحب نے متنات سے کہا۔“ بھاگتا کون ہے؟ یہاں تو سر جھکلاتے کھڑے ہیں۔ نرملانے ہاتھ جوڑ کر کھا۔ اسی طرح ہمیشہ مہرہاں کی نظر کیجیے گا۔ بھول نہ جائیے گا۔ یہی بھرما بنتی ہے۔“

(۱۷)

کر شاکے بیاہ کے بعد سدھا پائی گئی۔ لیکن نرملانے میں ہی رہ گئی۔ وکیل صاحب بار بار لکھتے تھے مگر وہ نہ جان تھی۔ وہاں جائے کو اس کا جی نہ بھاہتا تھا۔ ایسی کوئی چیز نہ تھی جو اسے کھینچ لے جاوے۔ یہاں ماں کی خدمت اور جھوٹے بھائیوں کی دیکھو بھال میں اس کا وقت بڑے مزے سے کشت جاتا تھا۔ وکیل صاحب خود آتے تو شاید وہ جانے پر راضی ہو جاتی۔ مگر اس بیاہ میں محلہ کی کئی عورتوں نے ان کی وہ درگت بنائی تھی کہ ہیمارے آئے کام ہی نہ لیتے تھے۔ سدھا نے بھی کئی مرتبا خطا لکھا۔ مگر نرملانے اس سے بھی جلد حوالہ کر دیا۔ آخر ایک روز سدھانے تو کوکو سا تھلیا اور خود آدمکی۔

جب دونوں مل کر بیٹھیں تو سدھا نے کوہا۔ تمہیں تو وہاں جاتے ہوئے گویا خوف معلوم ہوتا ہے۔ بیاہ گئی ہوئی تین سال میں آئی ہوں۔ اب کے تو وہاں عمری قسم جا فے گی۔ پھر وہ بلاتا ہے اور کون آتا ہے؟

سدھا آئنے کو کیا ہوا۔ جب جی چاہے چل آتا۔ وہاں وکیل صاحب جیہیں ہو رہے ہیں؟“

نرملانے بہت بے چین۔ رات کو شاید نیڈ نہ آتی ہو؟“